© rasailojaraid.com

اسلام میں قانون سازی کا حق کسے حاصل ہے

اسلام کا ایک معاشرتی و اخلاقی تحریک کی حیثیت میں ، جس کی کہ بنیاد ایک ہمہ گیر اور جامع عقیدے پر تھی ، ساتویں صدی عیسوی کے نصف اول میں سرزمین حجاز میں آغاز ہوا ، قرآن مجید کی ابتدائی نازل شدہ آیات اس عقیدے کی بنیادی خصوصیت کو بڑی اچھی طرح واضح کرتی ہیں ، یہ عقیدہ جامع ہے ایک خدا کے مثالی تصور اور اس کے ساتھ ساتھ خاص طور پر ایک انسانیت کے تصوّر پہ ۔ اسلام زندگی کے کسی خاص شعبے کے نظام کا نام نہیں بلکہ وہ عبارت ہے مجموعی زندگی کے بارے میں ایک پورے رویّے سے ۔ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اسلام نام ہے زندگی کے بارے میں ایک پورے رویّے کا ، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کیفیات و تجربات جو ایک فرد کے باطن میں ذاتِ باری تعالیٰ کی نسبت واقع ہوتے ہیں ، نیز وہ تعلقات جو فرد اور باری تعالیٰ کے مابین پائے جاتے ہیں اور جنہیں آج کل کی اصطلاح میں " خالص مذہبی " کہا جاتا ہے ، اسلام صرف ان کا نام نہیں ، بلکہ وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے ۔
اس لیے " اسلامی معاشرہ " ۔ " اسلامی اقتصادیات " اور " اسلامی حکومت " کے تصورات نہ صرف یہ کہ اپنی جگہ معقول ہیں ، بلکہ وہ اسلام کے عمومی تصور کے لازمی اور منطقی اجزاء ہیں ۔

ایک خدا کے مثالی تصور اور اس کے ساتھ ساتھ خاص طور پر ایک انسانیت کے تصوّر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قرآن مجید نے کئی شعائر اور تدابیر کی نشان دہی کی ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شروع ہی میں معاشرتی و اقتصادی انصاف کے اصول جو سب مومنوں کے لیے ایک سے مواقع کی راہ کھولتے ہیں ، اسلام کی اصل روح میں داخل تھے ۔ نماز ، زکوٰۃ روزے اور بیت اللہ کے حج کے عظیم شعائر صاف طور پر اس غرض سے فرض کیے گئے کہ وہ جہاں فرد اور باری تعالیٰ کے درمیان ایک روحانی ربط فراہم کرتے ہیں ، اور ایک مذہب کی بنیادی رُوح یہی ہے ، وہاں وہ ایک اخلاقی قانون کے ماتحت مربوط انسانی اخوّت و مساوات کا عملی ذریعہ بنیں ، جب ان شعائر کو شروع میں عملی جامہ پہنایا گیا ، تو آگے چل کر ان اساس پر انتظامی و معاشرتی ادارے بنے ۔

اسلام کی اس جامعیت اور اس کے مجموعی زندگی کے پورے رویے پر مشتمل ہونے سے اس کا " عبادت " کا بنیادی اور ہمہ گیر تصور منتج ہوتا ہے ۔ اسلام نے " عبادت " سے نہ صرف WORSHIP یعنی ان کے منجملہ شعائر میں ہونے کا مفہوم لیا بلکہ اس کے انتہائی وسیع معنوں میں اس سے مراد خدمت (SERVICE) لی ۔
یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید بے جان کائنات کے غیر اختیاری رویے کو بھی واضح طور پر " عبادت " قرار دیتا ہے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلام نے معاشرتی عبادت کو " ترک دنیا " کے تصور کے ساتھ مخلوط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے سے محفوظ رکھا اور شعاری عبادت کے معنی یہ قرار دیئے کہ انسان پورے خشوع و خضوع اور خلوص و ادراک کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی خدمت بجا لانے کے لیے قوت و خلوص طلب کرے۔ اسی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام محض چند مراسم یا مذہبی احکام کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس لیے اسلام نام ہے اس طرز زندگی کا جو کم و بیش مسلمانوں میں عہد گزشتہ میں رہی ہے۔ اور اب اگر اس طرز زندگی میں کوئی اختلال واقع ہوتا ہے تو یہ مرادف ہے اسلام اور اس کی طرز زندگی کی قدروں کو درہم برہم کرنے کے۔

اسلام کا اوّلین مقصد انسانی زندگی کو انفرادی اور اجتماعی ہر دو لحاظ سے صالح اور اخلاقاً فعال بنانا ہے۔ حکومت کا قیام اسلام کا اوّلین مقصد نہیں، لیکن چونکہ انسانی معاشرے کی تنظیم کے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، اس لیے اسلام کے نزدیک ایسے اداروں کا وجود ضروری ہو جاتا ہے، جو خدائی قانون کو اپنائیں۔ اس کی ترجمانی کریں اور اسے عملی شکل دیں۔ اس خدائی قانون کا نام شریعت ہے۔ قرآن مجید جو وحی خداوندی کا حاصل ہے، گو زیادہ اور بالذات اخلاقی اور روحانی اصولوں کی کتاب ہے، لیکن اس میں جا بجا تاریخی مواقع کے ضمن میں ان اصولوں کی قانونی ترجمانی بھی کی گئی ہے۔ قرآن کے ساتھ ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شریعت خداوندی کے اصولوں کی شرعی حیثیت سے ترجمانی فرمائی، جس کا مجموعہ سُنّت نبوی ہے۔ اخلاقی اور روحانی اصولوں کی قانونی ترجمانی اور اس کی بنیاد پر قانون سازی کا کام نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد صحابہ نے جاری رکھا، بلکہ اسلامی تاریخ کی پہلی تین صدیوں میں اس نہج پہ برابر کام ہوتا رہا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے فرد انسانی اصلاً اور بنیادی طور پر ایک آزاد شخصیت رکھتا ہے لیکن معاشرے کا ایک جزو ہونے کی بنا پر اس پر روحانی اور معاشرتی جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کے پیش نظر اسے فرائض کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ ان کو "حدود اللہ" کہا گیا ہے۔ یہ "حدود" بنیادی انسانی حریت کو سلب کرنے کے لیے نہیں ہیں، بلکہ ان کا مقصد روحانی اور اخلاقی اقدار کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہیں ذریعہ بنانا ہے۔

رسول اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جہاں ہادی و مزکی تھے، وہاں وہ بیک وقت حکمران بھی تھے اور قانون ساز بھی۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد گو حکمرانی کے اختیارات خلفائے راشدین کے ہاتھ میں رہے، لیکن قانون سازی کا اختیار کسی ایک شخص کے پاس نہ تھا۔ اس ضمن میں جو بھی قدم اٹھایا جاتا، صحابہ کے مشورے سے جو امت کے قائدین تھے، اٹھایا جاتا تھا۔ گویا دوسرے معنوں میں امت من حیث المجموع قانون سازی کرتی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانون سازی کو من حیث المجموع اُمت کا حق قرار دے کر حکمرانی کو جو اس طرح مشروط کیا گیا تو اسے ہم بجا طور پر "دستوریت" کا نام دے سکتے ہیں۔ گو اس وقت کوئی تحریری دستور نہ تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی تاریخ میں مشروط اور دستوری حکومت کا آغاز اسلامی حکومت سے ہوتا ہے۔

خلفائے راشدین کے دور میں اس طرح جو اسلامی دستور وجود میں آیا' اس کی بنیاد قرآن حکیم اور رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت تھی۔ اب ظاہر ہے ہر عہد میں قرآن اور سنت کی ترجمانی کی ضرورت ہے۔ اور یہ اجماع ہے جو اس ترجمانی کا معتبر حامل رہا ہے۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکمرانوں کے پاس قانون سازی کے اختیارات نہ تھے قانون سازی امت من حیث المجموع کرتی تھی۔ البتہ حکمران اس کا انفاذ عمل میں لاتے تھے۔

اسلام میں اجماع کو قانون سازی کے جو اختیارات حاصل تھے' وہ مسیحی کلیسا یا ہندو برہمنوں کی طرح کسی خاص مذہبی گروہ یا مذہبی رہنماؤں کی کسی خاص کونسل کے لیے مخصوص نہ تھے۔ اس ضمن میں فقہاء کا کام صرف یہ تھا کہ وہ قانون سازی کے اس عمل میں انفرادی قیادت کے فرائض ادا کریں۔

جیسا کہ خلافتِ راشدہ کے ضمن میں اوپر ذکر ہوا، اسلامی حکومت جمہوری حکومت کی ایک شکل ہے اور اسلامی حکومت کی جمہوریت کا ضامن اجماع ہے۔ بدقسمتی سے ہوا یہ کہ ہمارے فقہاء اور علماء نے ایک وقت تک جو اجماع وقوع پذیر ہو چکا تھا، اسے حتمی اور آخری قرار دے دیا اور اس کے بعد اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

اس وقت مسلمانوں کے اولیں فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ احادیث کے ضخیم ذخیرے میں سے سنت نبوی کے استخراج کی کوشش کریں۔ اور ان میں سے علماء کا ایک گروہ آگے آئے جو قرآن مجید اور سنت نبوی کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ موجودہ دنیا کے مسائل اور موجودہ قانون کو جانتا ہو۔

اس کام کے لیے چند ایک نسلیں درکار ہیں اور جب تک کہ ایک ایسا گروہ بتدریج ظہور میں نہیں آتا جو قرآن مجید اور سنت نبوی کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ موجودہ دنیا کے مسائل اور موجودہ قانون کو جانتا ہو، موجودہ علماء اور موجودہ جدت پسندوں میں باہمی بحث و جدال ناگزیر ہے اور ہمارے نزدیک اسے دبانا غلطی ہوگی۔

ماخوذ از ہفت روزہ "آوازِ پختون" کراچی
تحریر کردہ۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی

© rasailojaraid.com